علی محسن صدیقی۔ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی۔
استاد تاریخ اسلام

فاتح صقلیہ

اسد بن فرات

اسد بن فرات کی شخصیت بڑی پہلودار تھی، وہ ایک محدث، فقیہہ، قاضی اور عالم ہی نہ تھے، بلکہ ایک سپہ سالار، امیرالبحر اور فاتح بھی تھے۔ اسد کی زندگی کے اسی عسکری پہلو سے ہم کسی قدر آئندہ سطروں میں بحث کریں گے۔ مگر ان کی اس حیثیت پر گفتگو کرنے سے پہلے مغربی سمندروں میں مسلمانوں کی جاں سپاریوں کا اجمالی جائزہ لینا ضروری ہے۔

اگرچہ مسلمانوں کی بحری معرکہ آرائیوں کا آغاز عہد فاروقی میں ہوا اور عامل بحرین حضرت علا بن حضرمی نے ایران پر بحری راستے سے حملہ کیا، مگر جہازوں کی کمی کے باعث اس مہم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور حضرت عمرؓ نے مزید بحری پیش قدمیوں کی اجازت نہ دی[1]۔ اسلامی بحریہ کا باقاعدہ آغاز دراصل حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا۔ اسی اسلامی بحری بیڑے نے ۲۸ھ میں کے جزیرے پر قبضہ کیا[2]۔ اس جنگ میں شامی بیڑے کی قیادت امیر شام حضرت معاویہؓ نے کی، اور مصری بیڑے کی قیادت حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح والئ مصر نے کی۔ اس کے بعد جب ۳۱ھ میں جنگ ذات الصواری میں رومیوں کے بحری بیڑے سے اسکندریہ کے قریب معرکہ آرائی ہوئی تو مصر و شام کے مشترکہ بحری بیڑے نے رومیوں کو عبرتناک شکست دی[3]۔ جنگ ذات الصواری کی شکست دراصل بحر روم سے رومی بحریہ کی سیادت کا خاتمہ تھی۔ بقول حتی یہ جنگ رومیوں کے حق میں دوسری "جنگ یرموک" ثابت ہوئی[4]۔ اب شام و مصر کے سواحل اسلامی بحری افواج کی جولاں گاہ بن گئے۔ اور رفتہ رفتہ مسلمان بحر روم کے متعدد اہم جزائر پر قابض ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر رومیوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۴۶ھ میں امیرالبحر عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں والئ مصر حضرت معاویہؓ بن نے دوسو جہازوں کا بیڑا صقلیہ پر حملے کے لئے روانہ کیا[5] اور یوں شمالی

افریقہ اور شام و مصر کے سواحل بحری معرکہ آرائیوں کی جولاں گاہ بن گئے۔ سنہ ۴۹ھ میں رومیوں نے سواحل شام پر بڑے وسیع پیمانے پر حملہ کیا مگر اسلامی بیڑے کے ہاتھوں انہیں شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا۔[۶] اسی زمانہ میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں نے بحری راستے سے حملہ کیا اور شہر قیصر کا دوبارہ محاصرہ کیا۔[۷] حضرت معاویہؓ ہی کے زمانے میں شام میں عسکا کے ساحلی شہر میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم ہوا۔ اس سے پہلے ایسے کارخانے صرف مصر میں تھے۔ ان کارخانوں کو دارالصناعۃ کہتے تھے۔[۸] مغربی زبانوں کا درسنہ یا آرسنل اسی دارالصناعۃ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔[۹]

اس کے بعد رومیوں کے خلاف بحری جنگوں میں شدت پیدا ہوئی اور جنادہ بن ابی امیہ ازدی نے جزیرۂ روڈس پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب بحیرۂ مارمرہ میں جزیرۂ ارواد پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر کریٹ پر حملہ کیا گیا۔[۱۰]

عہد عبدالملک میں والیٔ افریقہ حسان بن نعمان نے تونس کے مقام پر جہاز سازی کا بہت بڑا کارخانہ قائم کیا۔[۱۱] والیٔ افریقہ موسیٰ بن نصیر لخمی نے سنہ ۸۲ھ میں اس کارخانے کو وسعت دی اور بحری بیڑے کو یوں مزید استحکام بخشا کہ تونس کے شہر کو جو ساحل سمندر سے بارہ میل دور تھا ساحل سے ملا دیا۔[۱۲] اسی طرح بنو مرداں کے عہد میں ہی شام میں عسکا کے دارالصناعۃ کو بعض جنگی مصلحتوں کی بناء پر صور منتقل کر دیا گیا۔[۱۳]

موسیٰ کے عہد امارت میں بحر روم کے جزائر پر کامیاب اور مسلسل حملوں کے سلسلے دوبارہ شروع ہوئے۔[۱۴] موسیٰ کا حملۂ اندلس ان کی بحری معرکہ آرائیوں کا نقطۂ عروج تھا۔

ولید کے عہد میں مسلمان بحری بیڑے اپنی کارکردگی اور وسعت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔[۱۵]

ولید کے جانشین سلیمان کے زمانے میں اسلامی بحریہ نے رومیوں پر کامیاب حملے کئے اور سنہ ۹۸ھ میں مسلمہ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا جو سنہ ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات تک جاری رہا۔[۱۶]

اسلامی بحری افواج کی ترتیب و تنظیم کا کام عہد ہشام میں از سر نو کیا گیا اور سنہ ۱۱۷ھ میں تونس کے بحری مرکز سے دور دراز کے علاقوں میں خود مختار یا نیم خود مختار حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ خصوصاً مغربی صوبوں میں ان کے اقتدار کا نقشہ نہ جم سکا اور وہاں اندلس میں

امارت[18] اور مغرب اقصیٰ میں آلِ حسنؓ ادریسی حکومت وجود میں آئیں۔[19] اس خوف سے کہ مبادا یہ حریف طاقتیں مصر کی جانب پیش قدمی کریں۔ ۱۸۴ھ میں ہارون اعظم نے شمالی افریقہ کی حکومت ایک نامور عرب سردار ابراہیم بن اغلب تمیمی کو چالیس ہزار دینار سالانہ کے عوض موروثی طور پر عطا کر دی۔[20] اس اغلبی سلطنت کی بحری معرکہ آرائی ہماری اس گفتگو کا موضوع ہے۔

۱۹۶ھ میں ابراہیم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ امیر ہوا۔ اس کے عہد میں ۱۹۸ھ میں صقلیہ والوں سے مسلمانوں کی مصالحت ہوگئی اور فریقین نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا۔[21] اس کا جانشین اس کا بھائی زیادۃ اللہ (۲۰۱ھ تا ۲۲۳ھ) ہوا۔ زیادۃ اللہ کو اپنے ابتدائی عہد حکومت میں خانہ جنگیوں کا سامنا کرنا پڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۲۰۹ھ میں ملک کا بڑا حصہ اس کے قبضے سے نکل گیا۔ اور صرف ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس کے پاس رہ گیا۔[22] اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر صقلیہ کے رومی امیر البحر فیمی نے افریقہ کے ساحل پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور ۱۹۸ھ کے دس سالہ معاہدۂ متارکۂ جنگ کو بالائے طاق رکھ دیا۔[23] جب زیادۃ اللہ کو داخلی انتشار سے فرصت ملی تو اس نے رومیوں کی طرف توجہ کی۔ حسنِ اتفاق سے اسی زمانہ میں رومی امیر البحر صقلیہ فیمی ایک جرم کی پاداش میں معزول ہوا۔ مایوسی اور غصّہ کے عالم میں اسکی آتشِ انتقام بھڑک اٹھی۔ وہ سیدھا قیروان آیا۔ اور زیادۃ اللہ سے صقلیہ پر حملہ آور ہونے اور رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کی درخواست کی۔ اس کے ساتھ ہی صقلیہ سے رومی سفارت بھی آئی اور تجدید معاہدہ کی خواہاں ہوئی۔ اس مسئلہ سے متعلق کسی فیصلہ تک پہنچنے کی غرض سے زیادۃ اللہ نے مجلس مشاورت طلب کی۔ حاضرین میں قاضی القضاۃ اسد بن فرات بھی تھے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں اس رائے کا اظہار کیا کہ اہل صقلیہ نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے جزیرہ پر حملہ کر کے اسے دارالاسلام بنا لینا چاہیئے۔　　کے بعد اس رائے کو تسلیم کیا گیا۔ اور زیادۃ اللہ نے ایک بحری مہم تسخیر صقلیہ کی غرض سے قاضی اسد بن فرات کی سرکردگی میں روانہ کی۔[24]

جزیرۂ صقلیہ پر مسلمانوں کا یہ حملہ اپنی نوعیت کا پہلا حملہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی مسلمان اس پر چودہ پندرہ بار حملہ آور ہو چکے تھے[25] اور اس کے ایک حصے سرقوسہ پر ان کا عارضی طور پر قبضہ بھی رہا تھا۔ مگر اب کی بار وہ اس ارادے سے نکلے تھے

کہ پورے جزیرے کو دارالاسلام بنا لیں)۔

اس مہم کے سربراہ قاضی اسد کی کیفیت ابوعبداللہ والد کا نام فرات اور دادا کا نام سنان تھا۔ ان کا خاندان بنو سلیم بن قیس کے موالی میں سے تھا۔ اسد کا آبائی وطن نیشاپور (ایران) تھا۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کے والد ہجرت کر کے حران (دیار بکر) چلے آئے تھے۔ اسد یہیں سنہ ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر دو ہی سال کی تھی کہ سنہ ۱۴۴ھ میں ان کے باپ محمد بن اشعث کے ہمراہ شمالی افریقہ چلے گئے، اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔

اسد پانچ سال تک قیروان میں رہے، ابھی وہ سات برس کے ہی تھے کہ تونس کے ایک گاؤں میں ان کے والد نے سکونت اختیار کر لی۔ اسد نے زندگی کی دس بہاریں یہیں گزار دیں۔ اس زمانہ میں انہوں نے قرآن کی تعلیم مکمل کی۔ سترہ سال کے ہوئے تو تونس شہر کے مشہور عالم علی بن زیاد سے علم حدیث اور فقہ کی تحصیل کی۔ وہ تیس سال کی عمر تک شمالی افریقہ میں مختلف علوم و فنون کے حصول میں منہمک رہے۔ بعد ازاں مزید تحصیل علم کی غرض سے سنہ ۱۷۲ھ میں اسد نے مشرق کا رخ کیا۔ اس زمانے میں حجاز اور عراق علوم اسلامیہ کے گہوارے تھے۔ اسد نے ان دونوں چشمہ ہائے علم و حکمت سے فیض اٹھایا۔ وہ پہلے علم حدیث کی تحصیل کی غرض سے حجاز آئے اور مدینہ منورہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام مالک کا حلقۂ درس نہ صرف حجاز میں بلکہ پورے عالم اسلام میں اہل مدینہ کی روایات کا امین تھا۔ اہل مصر، افریقہ، مغرب اور اندلس کو اس درسگاہ سے تعلق خصوصی تھا۔ چنانچہ اسد بھی اپنے ہم وطنوں کی تقلید میں امام کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ یہاں انہوں نے امام سے مؤطا کا درس سبقاً سبقاً لیا۔ اس کے بعد انہوں نے استاد سے مزید تحصیل علم کی خواہش کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر کہ "وہی تمہارے لئے بھی کافی ہے، جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں۔" ان کے تعلیمی سلسلے کی تکمیل کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد اسد کو عراق جا کر فقہ حنفی کی تحصیل کا شوق ہوا۔ استاد سے اجازت لے کر رخصت ہوئے اور بغداد آئے۔ امام اعظمؒ کے تلامذہ میں سے امام ابویوسف، امام محمد اور امام اسد بن عمرو کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے اور ان سے فقہ حنفی پڑھی، امام محمد کو ان سے بڑی خصوصیت پیدا ہو گئی تھی، اور عام درس میں شرکت کے علاوہ

سد کو رات کے وقت بھی وہ پڑھاتے تھے، اور ان کی مالی اعانت سے بھی دریغ
نہ کرتے تھے۔ ابھی اسد عراق میں حصول علم میں مصروف ہی تھے۔ کہ ۱۷۹ھ میں امام
مالک نے مدینہ میں وفات پائی۔ اس کے بعد ہی اسد عراق سے وطن روانہ ہوئے۔ راہ
میں مصر پڑتا تھا۔ یہاں امام مالک کے ممتاز شاگرد امام عبدالرحمٰن بن قاسم موجود تھے۔ اسد
نے فقہ مالکی کی مزید تحصیل کی غرض سے ابن قاسم کے درس میں شرکت کی اور ان سے روزانہ
فقہی مسائل پر سوالات کرتے، وہ جوابات دیتے، اسد سوال و جواب کی ترتیب سے
لکھ لیتے تھے۔ یہ سوال و جواب ساٹھ اجزاء میں مدون ہو گئے اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالکی
کی سب سے پہلی کتاب قرار پائی۔ اسد نے اس مجموعے کا نام الاسدیہ رکھا۔ اس کے بعد
اسد ۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان واپس آئے۔

قیروان میں اسد نے موطا امام مالک اور الاسدیہ کا درس جاری کیا۔ افریقہ و مغرب
کے جلیل القدر علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان
کی شہرت پورے علاقے میں پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی کتاب الاسدیہ جسے المدونہ
بھی کہتے ہیں مشہور ہو گئی۔ درس و تدریس کے فرائض کے علاوہ اسد کے سپرد افتاء کی
خدمت بھی تھی۔ افتاء میں ان کی روش یہ تھی کہ وہ عموماً فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔
اور وجہ اسکی یہ تھی کہ اس عہد میں جزئیات جس قدر فقہ حنفی کی منضبط ہو گئی تھیں اتنی فقہ مالکی
کی نہ ہوئی تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسد نرے مقلد نہ تھے بلکہ مسائل فقہی میں اجتہاد سے
کام لیتے تھے اور چونکہ فقہی حنفی ان کے اجتہاد سے قریب تر تھی، اس لئے اسی پر ان کا
مدار زیادہ تھا۔

۱۹۱ھ میں افریقہ کے قاضی القضاۃ عبداللہ بن غانم کی وفات کے بعد ابو محرز
اس منصب پر فائز ہوئے مگر افریقہ کے علماء و فضلاء کا برابر اصرار تھا کہ اسد جیسے جلیل القدر
عالم کی موجودگی میں منصب قضاء پر کسی اور کو فائز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے والی افریقہ
زیادۃ اللہ نے ۲۰۳ھ میں اسد کو مساوی حیثیت سے عہدہ قضاء میں ابو محرز کا شریک کار
بنا دیا۔ اور ۲۱۱ھ میں ابو محرز کو اس عہدے سے معزول کر کے اسد کو بلا شرکت غیرے
پورے افریقہ اور مغرب کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔[۲۶]

اسد کی علمی جلالت شان مسلم، مگر ان کی اصل شہرت ان کی فوجی مہارت اور عسکری

قیادت کے باعث ہے۔ ان کی عسکری قیادت کی جولاں گاہ سرزمین صقلیہ ہے۔ اسد کی سرکردگی میں اسلامی لشکر افریقہ کے ساحلی شہر سوسہ سے یوم شنبہ، ۱۵ ربیع الاول ۲۱۲ھ (مطابق ۱۰ جون ۸۲۷ء) کو روانہ ہوا۔ خود زیادۃ اللہ اور اس کے اعیان دولت ساحل سمندر تک لشکر کی مشایعت میں آئے۔ جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو دس ہزار جاں باز مجاہدین سے جو عرشۂ جہاز پر کھڑے اپنی تلواروں کو لہرا رہے تھے، امیر عسکر نے یوں خطاب کیا:

"لوگو! میرے آباء و اجداد آج تک کبھی والی مقرر نہیں ہوئے۔ اور میں بھی اس منصب جلیلہ پر فائز نہ کیا جاتا اگر علم کو اپنا زیور نہ بناتا۔ اس لئے علم کی تحصیل میں سعی و کوشش کرو۔ اسی میں جاں فشانی کرو اور اس کے ہو رہو۔ اس راہ میں مصائب و مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، تمہیں ان سے خائف نہ ہونا چاہیئے۔ مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اس سے تم دین و دنیا دونوں میں سربلند ہو سکتے ہو۔"

اس کے بعد اس بیڑے نے لنگر اٹھائے۔ یہ بیڑا سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا، جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ اسد نے صقلیہ جانے کے پامال راستے کو اختیار نہ کیا جو سرقوسہ کو جاتا تھا اور جس پر عموماً مسلمان حملہ آور ہوتے تھے بلکہ انہوں نے صقلیہ کے ایک اور شہر مازر کا رخ کیا، جہاں فوجی استحکامات نسبتہً کم تھے۔ تین دن کی مسافت طے کر کے یہ اسلامی بیڑا ۱۸ ربیع الاول کو مازر کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا۔ شہر پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو گیا۔ اسد نے یہاں مورچہ بندی کی اور دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب تین دن تک دشمنوں کا کوئی دستہ نہ آیا تو انہوں نے شہر پر مسلمان حاکم مقرر کر کے آگے پیش قدمی کی۔ اگلا پڑاؤ مرج پر ہوا۔ یہاں دشمن پہلے سے موجود تھا۔ اسلامی لشکر بھی ٹھہر گیا۔ مرج میں جو عیسائی لشکر خیمہ زن تھا اس کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار تھی، اور اس میں قسطنطنیہ کی مرکزی امدادی فوج اور صقلیہ کی رومی فوج کے علاوہ وینس کی فوج بھی شامل تھی اس ٹڈی دل کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ جب فریقین میدان جنگ میں اترے تو اسد نے مسلمان مجاہدین کو مخاطب کر کے کہا:

"مجاہدو! یہ ساحل کے وہی کفار ہیں جو روپوش ہو کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ تو تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں۔"

اس کے بعد وہ علم جنگ لیکر دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔

خود امیر عسکر اسد شدید زخمی ہوتے لیکن زخموں کے باوجود انہوں نے علم ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ مسلمانوں کو کامل فتح نہ حاصل ہوگئی۔ جنگ میں عیسائی فوج کا بڑا حصہ کام آیا، جو باقی بچے وہ یا تو قید ہوئے یا پھر بھاگ گئے ۔ مرج کی فتح سے آگے بڑھنے کے راستے صاف ہو گئے اور اسلامی فوج نے قرب و جوار کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اور بعض مقامی سرداروں سے جزیہ پر صلح کرکے انہیں ان کی حکومتوں پر باقی رکھا۔ اس کے بعد اسد نے اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے کرکے جزیرے میں پھیلا دئے۔ اور خود آگے بڑھ کر سسلیہ کے پایۂ تخت سرقوسہ کا محاصرہ کرلیا۔ اسی زمانہ میں افریقہ سے امدادی فوج بھی آگئی اس لئے اسد کو برّی و بحری راستوں سے شہر کے محاصرہ میں خاصی سہولت ہوئی۔ مگر دوران محاصرہ سرقوسہ کی مدد کے لئے ایک بڑی رومی فوج آگئی۔ اب اسلامی لشکر کی کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف اہل شہر اور دوسری طرف یہ نیا عیسائی لشکر اور ان کے بیچ میں مسلمان۔ اس نازک صورت حال کا تدارک یوں کیا کہ اسد نے فوج اسلام کے گرد وسیع اور گہری خندق کھدوائی اور اس سے آگے بڑھ کر ایک بڑی کھائی تیار کروائی اور یوں دونوں عیسائی افواج کے درمیان سد سکندری کیطرح حائل ہو گئے۔ محاصرہ خاصا طویل ہوگیا اور جہاں محصورین کو بڑی سختیاں جھیلنی پڑیں وہیں لشکر اسلام نے بھی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اسلامی لشکر پر سب سے بڑی افتاد یہ پڑی کہ محاصرہ کے دوران امیر لشکر قاضی اسد بن فرات نے بہتر سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۱۳ھ میں زخموں سے انتقال کیا۔ انہیں اسی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا اور بطور یادگار ان کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ جب اسد کی وفات کی خبر افریقہ پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ زیادۃ اللہ کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ یہاں بھی ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ قیروان کی یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور اس پر اسد بن فرات کا نام کندہ ہے۔ اسد نے صقلیہ کے جن مقامات پر قبضہ کیا وہاں باقاعدہ حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے مازر کو اپنا مرکز بنایا اور مازر سے سرقوسہ تک کے علاقے زیر نگیں کئے۔ بعض قلعوں میں اپنے آدمی متعین کئے اور بعض قلعوں کو ان کے سابق مالکوں کی تحویل میں جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر رہنے دیا۔ اسد کا یہ نظام بعد کے مسلمان گورنروں نے بھی ایک عرصہ تک باقی رکھا۔

مختصر یہ کہ اسد بن فرات جب بساط علم و قضا سے اٹھ کر میدان جنگ اور دربار حکومت میں آئے تو انہوں نے اپنی پامردی، دور اندیشی اور شجاعت سے یہ ثابت کردیا کہ وہ ایک بہادر سپاہی، ماہر سپہ سالار اور مدبر گورنر بھی ہیں۔ ایسے جامع الصفات بزرگ کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔

■■

حواشی

ا محمد بن جریر طبری - تاریخ الامم والملوک - مطبوعہ دار المعارف ، مصر ۶۲-۱۹۶۳ء جلد چہارم ص ۱۷۹ ص ۲۵۵ و ۲۵۹ - ۲ ایضاً ص ۲۵۸ ۳ ایضاً ص ۲۸۸ ، ص ۲۹۲ ۔ ۴ فلپ کے حتی - ہسٹری آف دی عربس - مطبوعہ میکملن اینڈ کو، نیویارک ۱۹۵۸ء - ص ۲۰۱ ۔ ۵ احمد بن یحیٰ بلاذری - فتوح البلدان ، مطبوعہ مطبعہ استقامت ، مصر ص ۲۳۷ ۔ ۶ ایضاً ص ۱۲۴ ۔ ۷ طبری ، جلد پنجم ص ۲۳۲ ۸ بلاذری ص ۱۲۴ ۔ ۹ سید سلیمان ندوی ، لغات جدیدہ - مطبوعہ دار المصنفین ، اعظم گڑھ ۱۳۵۶ھ ص ۱۱ و جرجی زیدان - تاریخ الاسلامی - مطبوعہ دار الہلال ، مصر ۱۹۵۸ء جلد اوّل ص ۲۱۹ ۔ (جدید عربی میں اسے ترسانہ اور ترسنہ کہتے ہیں ۔) ۱۰ بلاذری ، ص ۲۳۷ و طبری جلد پنجم ص ۲۹۳ ۔

۱۱ ابن خلدون - المقدمہ - مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبریٰ ، مصر ، ص ۲۵۳ ۱۲ ابن ابی المونس فی اخبار افریقیہ و تونس - مطبع دولت تونسیہ ، تونس ، سنہ ۱۲۸۶ھ ص ۳۸ ۔ ۱۳ بلاذری ص ۱۲۵ (بلاذری کی عام روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام دار الصناعۃ کو صور لے گیا ۔ ایک دوسری روایت سے جو واقدی سے مروی ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب بنو مروان منصب خلافت پر فائز ہوئے تو دار الصناعۃ کو صور لے گئے ۔ متوکل کے عہد تک دار الصناعہ صور ہی میں رہا ۔) ۱۴ عز الدین ابن الاثیر - الکامل فی التاریخ - مطبوعہ بریل لندن ۱۸۶۶ء جلد ۴ ص ۲۱۶

۱۵ ابن ابی دینار المونس فی اخبار افریقیہ و تونس ص ۲۳ ۔ ۱۶ ابن الاثیر ، جلد پنجم ص ۱۷۰ و تاریخ الاسلامی ، جلد اوّل ص ۲۱۷ و ابو عبد اللہ محمد قیروانی - کتاب المونس فی اخبار افریقیہ و تونس - مطبوعہ دولت تونسیہ ص ۳۸ ، ص ۳۹ ۔ ۱۷ طبری ، جلد ششم ص ۵۲۳ ، ص ۵۳۰ ، ص ۵۳۱ ۱۸ شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی - تاریخ الخلفاء - مطبوعہ اصح المطابع ، کراچی ص ۳۹۲ ، ص ۳۹۳ والملک المؤید ابو الفداء المختصر فی اخبار البشر ، مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ - جلد دوم ص ۳ (اندلس میں اموی حکومت ۱۳۸ھ کے اخیر میں قائم ہوئی اور ۴۲۵ھ میں داخلی انتشار کی وجہ سے اس کا خاتمہ ہوگیا ۔) ۱۹ ابو الفداء جلد دوم ص ۱۱ ، ص ۷ (مغرب اقصیٰ میں ادریسی حکومت ۱۷۰ھ میں قائم ہوئی اور ۳۰۷ھ میں بنو فاطمہ مہدیہ و بربر قبائل کی مخالفتوں کے باعث اس کا سقوط ہوگیا ۔)

۲۰ ابو الفداء جلد دوم ص ۱۶ و ص ۹۳ (اغالبہ کی حکومت افریقیہ میں ۱۸۴ھ میں شروع ہوئی اور ۲۹۶ھ میں بنو فاطمہ کے حامیوں نے اسکا خاتمہ کر دیا ۔) ۲۱ انسائی کلوپیڈیا برٹینیکا ، مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۱۰ء (طبع یازدہم) جلد بیست و پنجم - ص ۳۱ ۲۲ ابن عذاری المراکشی

البیان المغرب فی تاریخ المغرب (ترجمہ اردو پروفیسر محمد جمیل الرحمٰن) مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء صہ ۱۳۴ صہ ۱۳۵۔ (۲۰۹ھ میں منصور نامی شخص نے بغاوت کی اور قریب قریب پورے ملک پر مستولی ہوگیا۔ قیروان بھی اس کے زیر آگیا تھا۔ مگر اس کا عروج شعلۂ مستعجلہ ثابت ہوا اور ۲۱۱ھ تک زیادۃ اللہ نے تمام علاقے اس سے واگذار کرا لئے۔) ۲۳ ابن الاثیر جلد ۶ صہ ۲۳۵۔ ۲۴ ایضاً، جلد ۶ صہ ۲۳۵، صہ ۲۳۶ و ایس، پی، اسکاٹ۔ ہسٹری آف دی ایمپائر ان یورپ (ترجمہ اردو موسوم بہ اخبار اندلس۔ مولوی خلیل الرحمٰن) طبع لاہور ۱۳۲۴ھ جلد ۲ صہ ۷، صہ ۱۲ (فیمی کا جرم یہ تھا کہ اس نے صقلیہ کی ایک خانقاہ کی کنواری راہبہ کو اغوا کر کے اسے داشتہ بنا لیا تھا۔ اگرچہ بقول اسکاٹ، یہ جرم اس زمانہ میں نادر الوقوع نہ تھا مگر فیمی کی حیثیت اتنی بلند نہ تھی کہ وہ رومی قانون سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ اس لئے قیصر روم نے یہ حکم دیا کہ فیمی کی ناک کاٹ لی جائے۔ اس حکم کے خلاف فیمی نے احتجاجاً بغاوت کی اور جب اسے شکست ہوئی تو دربار اغالبہ میں کے لئے حاضر ہوا۔) ۲۵ عہد اموی میں صقلیہ کے جزیرے پر جو حملے ہوئے ان کی نوعیت تعزیری اور جوابی حملوں کی تھی، جزیرے پر مستقل طور پر قابض ہونے کی کوئی کوشش اس عہد میں نہیں کی گئی۔ عہد اموی کے حملے ۳۳ھ بعہد حضرت عثمان، ۴۶ھ بعہد حضرت معاویہؓ ۵۰ھ و ۵۶ھ میں بعہد خلافت عبدالملک ۱۰۲ھ بعہد خلافت یزید ثانی، ۱۰۹ھ میں بزمانہ خلافت ہشام، ہشام ہی کے عہد میں ۱۱۰ھ میں، ۱۱۱ھ میں، ۱۱۲ھ میں، ۱۱۴ھ میں، ۱۱۵ھ میں، ۱۱۶ھ میں، ۱۲۲ھ میں صقلیہ پر حملے ہوئے۔ ۱۳۵ھ میں جو حملہ ہوا وہ دورِ احتلال میں ہوا۔ جبکہ افریقہ سے اموی عمل دخل اٹھ گیا تھا۔ اور عباسیوں کا اقتدار ابھی وہاں جم نہ سکا تھا۔ ۱۲۲ھ کے حملوں میں صقلیہ کا ساحلی شہر سرقوسہ باج گذاری کی شرط پر مسلمانوں کا مطیع ہوگیا تھا۔ ۱۳۵ھ کا حملہ اسی رقم خراج کی وصول یابی کیلئے کیا گیا تھا۔ اس طور سے مکمل ارادۂ تسخیر سے پہلے جزیرۂ صقلیہ پر مسلمانوں نے چودہ بار حملے کئے۔ مزید تفصیل کے لئے اخبار اندلس جلد دوم باب پانزدہم اور تاریخ صقلیہ جلد اوّل صفحات ۷۲ - ۱۰۶ ملاحظہ فرمائیں۔ ۲۶ عبدالرحمٰن بن محمد انصاری - معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان۔ مطبوعہ مطبع عربیہ تونسیہ، تونس ۱۳۲۰ھ جلد دوم صہ ۲ تا صہ ۱۳ و برہان الدین ابن فرحون مالکی۔ دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب مطبوعہ مطبع سعادت، مصر ۱۳۲۹ھ، صہ ۹۸۔ و مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنؤ، ۱۲۹۷ھ صہ ۱۷۔

÷